© rasailojaraid.com

سے بھی آپ نے مطالبہ کیا کہ قرآن کے زمانہ کا لکھا ہوا کوئی دوسرا نوشتہ آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں میں نہ پہنچنے پائے اس میں ان کی مدد کریں یہ مسئلہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس گشتی فرمان کی تعمیل میں کتنی سرگرمی دکھائی گئی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ بجز دو تین مکتوبہ سرمایہ کے حدیثوں کے متعلق ایسا کوئی نوشتہ سرمایہ مسلمانوں میں باقی نہ رہا جس کے متعلق قطعیت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہو کہ عہد فاروقی سے پہلے وہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا۔

بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک شبہ کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، یعنی حضرت عمرؓ کے متعلق مذکورہ بالا روایتوں میں عموماً "السنن" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، میں نے کسی موقعہ پر دعویٰ کیا ہے کہ عام حالات میں "السنن" کا لفظ جب "الفرائض" کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے مراد قرآنی مطالبات یعنی الفرائض کے عملی تشکیلات ہی ہوتے ہیں، اس بنیاد پر سوال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کیا قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات کو لکھوانے کا ارادہ کیا تھا، یا ان کے سوا عام خبر آحاد کی ان حدیثوں کو قلم بند کرالینا چاہتے تھے جن کا علم انفرادی طور پر صحابہ میں پھیلا ہوا تھا

جہاں تک میرا خیال ہے ان روایتوں میں چونکہ "السنن" کا استعمال "الفرائض" کے مقابلہ میں نہیں کیا گیا ہے اس لئے اس کو صرف قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات تک محدود کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں بھی "السنن" سے مراد قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات ہی تھے تو مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے آخر قرآن کے سوا جب قرآنی مطالبات کو بھی مکتوبہ شکل میں آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے پر حضرت عمرؓ آمادہ نہ ہوئے تو عام انفرادی حدیثوں کے متعلق اس باب میں ان کا جو منشاء ہوگا وہ ظاہر ہے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معتزلہ

از

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لندن بیرسٹر ایٹ لا حیدر آباد دکن)

(۳)

ایمان وہدایت اپنی ذات سے حسن ہیں اور کفر وضلالت اپنی ذات سے قبیح مگر ایجاد و خلق دونوں کا حسن اور خیر ہے کیونکہ ایجاد و تخلیق کے معنی اعطائے وجود کے ہیں یعنی کسی شئے کو وجود عطا کرنے کے ہیں خالق کی طرف سے صرف وجود عطا ہوتا ہے جو سراسر خیر اور نور محض ہے اور شر خود مخلوق کی ذات میں ہوتا ہے! مخلوق کی ذات کا خالق کی ذات سے غیر یا مبائن ہونا ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے لہٰذا اگر مخلوق فی ذاتہ قبیح ہو تو خالق یا اس کی ایجاد کی طرف کوئی قبح منسوب نہیں ہو سکتا کسی کوزہ کا بدنما ہونا کوزہ گر کے بدنما ہونے کو مستلزم نہیں کسی حرف کا بدنما ہونا کاتب کے بدنما ہونے کی دلیل نہیں اس لئے کہ کوزہ کوزہ گر سے اور حرف کاتب سے ایک منفصل اور جدا چیز ہے۔

خدا خیر محض ہے اور قادر مطلق بھی، ذات کامل ہو تو صفات بھی ساری کامل ہوں گی، ذات کو کامل مان کر قدرت کو محدود یا ناقص نہیں مانا جا سکتا، شر کا مرجع خود ہماری ذات ہے[1]! کیا خوب کہا ہے کسی فلسفی شاعر نے:-

شپرہ با حضرت خورشید گفت　　چشم مرا کور چرا می کنی

گفت ترا طاقت دیدار نیست　　کور خودی شکوہ زما می کنی (آزاد بلگرامی)

(۲) نفی ارادہ باری تعالیٰ: قدرت اور فعل کی بحث تو الگ رہی نظام خدا میں ارادہ تک کا قائل نہیں

---

[1] خیر و شر کی کامل توضیح کے لیئے دیکھو مصنف کی کتاب قرآن اور تصوف باب پنجم صفحہ ۱۳۲ تا صفحہ ۱۴۹ مسئلہ خلق شر بہت طویل الذیل ہے ہم نے یہاں نہایت اختصار سے کام لیا ہے وضاحت قرآن اور تصوف میں کی ہے۔ فلیرجع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو قدرت اور فعل دونوں پر مقدم ہے نظام کے نزدیک جب خدا کو ارادے کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تو اس سے مراد محض یہ ہوتی ہے کہ خدا اپنے علم کے مطابق اشیاء کو پیدا کر دیتا ہے یعنی ارادہ فعل اور جب خدا کو بندوں کے افعال کا ارادہ کرنے والا کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بعض نظام ارادۂ باری کی نفی کیوں کرتا ہے؟ اس لئے کہ اس کے خیال میں ارادے کے صحیح معنی احتیاج کو مستلزم ہیں، یعنی جس چیز کا ارادہ کیا جاتا ہے ارادہ کرنے والے کو اس کی حاجت یا ضرورت ہوتی ہے اور خدا چونکہ غنی عن العالمین، ہے لہٰذا اس کو کسی چیز کی حاجت یا ضرورت نہیں اس لئے ارادے کے جو تم معنی سمجھتے ہو اس معنی کے لحاظ سے خدا کی طرف ارادہ کو منسوب نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ارادہ نام ہے خدا کے نفس فعل کا یا احکام کا جو انسان کو پہنچائے جاتے ہیں[1]۔

تنقید: نظام نے ارادۂ باری کی نفی کرنے میں بڑی سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ خدا کے فعل اور ارادہ میں بہت فرق ہے۔ فعل کے لئے ارادہ کی ضرورت ہے خدا تعالیٰ جو کام کرتا ہے ارادے سے کرتا ہے اس سے فعل کا صدور اضطراری طور پر نہیں ہوتا وہ فاعل مختار ہے وہ فاعل موجب نہیں اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جا سکتی ہے۔ فرض کرو کہ خدا نے زید کو آج پیدا کیا اب زید کا آج سے پہلے یا بعد بھی پیدا ہونا ممکن تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ زید کی بجائے عمر پیدا کیا جاتا تو اب یہاں کوئی چیز ضرور ایسی ہونی چاہئے۔ جو زید کے خاص وقت میں پیدا ہونے کا سبب ہو اور یہ سبب سوائے اس کے کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی کہ خدا کا ارادہ ہی یہ تھا کہ زید کو اس وقت پیدا کیا جائے۔

اگر خدا کا ارادہ اس کا سبب قرار نہیں دیا جاتا تو پھر یہ سبب خدا کی قدرت یا علم کو قرار دیا جانا چاہئے۔ لیکن خدا کی قدرت کو تو تمام چیزوں سے ایک جیسی نسبت ہے یعنی جیسے خدا کو اس وقت زید کے پیدا کرنے کی قدرت حاصل ہے ویسے ہی عمر وغیرہ کو پیدا کرنے کی بھی قدرت حاصل ہے اس لئے قدرت کو مخصص یا مرجح نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ زید ہی کو پیدا کرے اور عمر کو نہ پیدا کرے۔

اب رہا علم تو علم تابع معلوم ہوتا ہے، یعنی معلوم جس طرح ہو علم بھی اس کے مطابق ہوتا ہے[2]

[1] شہرستانی ص ۲۱ وعند الکعبی مذہبہ فی الارادۃ [2] مثلاً ایک پتھر پر کوئی شکل کندہ ہو اور اس کا علم انسان کو ہو۔ علم نقل ایک حکایت کے ہے کہ جیسا پتھر پر نقش بنا ویسا ہی علم ہوا جب علم تابع معلوم ہوا اور موثر نہیں تو وہ مخصص یا مرجح نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم کو اس بات میں کوئی دخل نہیں کہ وہ ایک شے کے آج پیدا ہونے کا باعث ہو اور ایک شے کے کل پیدا ہونے کا موجب۔ خدا جانتا ہے کہ ممکنات میں سے لامتناہی اشیاء زید کی بجائے موجود ہونے کی قابلیت رکھتی ہیں ان میں کس کو اس خاص وقت میں پیدا کیا جائے علم اس کا مرجع نہیں ہو سکتا ہے یہ مرجع ارادہ ہی ہو سکتا ہے

کسی شے کے ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کی علت ارادہ ہوتا ہے اور علم اس کے ساتھ تابع کا حکم رکھتا ہے۔

اسی لئے اہل حق کہتے ہیں کہ دنیا کی سب چیزیں خدا کے ارادے سے موجود ہوئی ہیں اور خدا اور اس کا ارادہ دونوں قدیم ہیں۔ ارادے کے قدیم ہونے پر یہ اعتراض جو عاید کیا جاتا ہے کہ جب ارادہ قدیم ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اپنے وقت پر موجود ہوئی ہیں کیونکہ ارادہ قدیم کو سب کے ساتھ ایک نسبت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو ارادے کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے ارادہ ایسی صفت کا نام ہے جو ایک چیز کو دوسری چیز سے ممیز کرتا ہے یعنی اس کا ذاتی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز فلاں وقت میں پیدا ہونی چاہئے اور وہ چیز فلاں وقت میں

اب معترض کا یہ کہنا کہ ارادہ بعض چیزوں کو بعض سے کیوں ممیز کرتا ہے ایسا ہی جیسے کوئی یہ کہے کہ علم معلوم کے منکشف ہونے کا کیوں باعث ہے یا قدرت کیوں قدرت ہے! جیسے یہ کہنا لغو ہے ویسے ارادہ کی تمیز کے بارہ میں سوال کرنا فضول ہے لہذا ہر شخص کو مجبور ہو کر ایسی صفت کا اقرار کرنا پڑتا ہے جو دنیا کی چیزوں کے خاص خاص اوقات میں پیدا ہونے کا باعث ہو اور وہ ارادہ الٰہی ہے نظامِ عالم میں جس قدر چیزیں ہیں سب کے ساتھ ارادہ کا تعلق ہے کیونکہ کوئی چیز بھی بغیر خدا کی قدرت کے موجود نہیں ہو سکتی اور قدرت جب ہی اثر کر سکتی ہے جب خدا کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ ہر چیز کے ساتھ خدا کا ارادہ لگا ہوا ہے، حتیٰ کہ نیکی بدی کفر و شرک وغیرہ بھی اس کے ارادہ سے باہر نہیں[1]۔

---

[1] دیکھو علم الکلام ترجمہ الاقتصاد فی الاعتقاد ترجمہ مولوی فیض الحسن صاحب مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور صفحہ ۹۳ تا ۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام یا دوسرے معتزلہ کا یہ کہنا کہ برے کاموں مثلاً زنا، چوری۔ قتل، شراب نوشی وغیرہ میں خدا کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ افعال مذمومہ اس کی مشیت کے خلاف ظہور پذیر ہوتے ہیں عقلاً نقلاً صحیح نہیں۔

بندوں کے تمام افعال خدا کی مشیت یا ارادے سے ہوتے ہیں اس پر نقلی دلیل جس پر تمام امت کا اتفاق ہے یہ ہے کہ

ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن — جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا — اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو راہ پر لائے

نیز ولو شئنا لاتینا کل نفس ھدٰیھا — اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت عطا کرتے

ان آیات واحادیث سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بندوں کی ہدایت وضلالت حق تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوئی اور ان کی مشیت کے بغیر ان کا امکان نہیں۔

اب اگر عقلی دلیل کی ضرورت ہو تو ذرا غور کرو کہ اگر حق تعالیٰ گناہوں اور قصوروں کو برا جانتے ہیں اور ان کا ارادہ نہیں کرتے تو کیا پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ ان کے دشمن ابلیس لعین کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ تو اب حق تعالیٰ کے دشمن کے ارادے کے موافق تو زیادہ چیزیں ہوتی ہیں (کیونکہ ظاہر ہے کہ برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوتی ہیں) اور حق تعالیٰ کے ارادے کے موافق کم ہوتی ہیں تو ہمیں کوئی یہ بتلائے کہ مسلمان حق تعالیٰ کی سلطنت کو ایسے رتبہ میں کس طرح گھٹا دے گا کہ اگر اس رتبہ پر کسی گانوں کے رئیس کو اتار دیا جائے تو وہ بھی ریاست سے نفرت کرے یعنی اس گانوں میں اس کا کوئی دشمن ہو اور اس کے ارادہ کے موافق زیادہ کام ہوتا ہو اور اس کو ارادے کے موافق تعمیل کم ہوتی ہو) تو وہ ایسی ریاست کو ذلت سمجھے گا اور اس سے دست بردار ہو جائے گا چونکہ خلق میں اکثر نافرمانی ہوتی رہتی ہے اور یہ سب معتزلہ کے اعتقاد کی رو سے حق تعالیٰ کے ارادے ومشیت کے خلاف ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ضعیف اور عاجز ہیں[1] ایک ضعیف وعاجز خدا کیا لائق عبادت اور قابلِ استعانت ہو سکتا ہے؟ جس دلیل سے خدا عاجز وناتوان ثابت ہو وہ دلیل قطعاً قابلِ ترک ہے

---

[1] دیکھو مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۱۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) نفی جزو لا تیجزی۔ یونانی فلاسفہ مثلاً دمیقراطیس اور اس کے اتباع کی طرح نظام جزو لا تیجزی کی نفی کرتا ہے۔

جزو لا تیجزی کے ابطال یا انکار سے نظام کی مراد یہ ہے کہ ہر جسم ایسے اجزاء سے مرکب ہے کہ ان کی تقسیم غیر متناہی حد تک ہوتی چلی جاتی ہے یعنی ہر آدھے کا آدھا اور ہر اس آدھے کا آدھا برابر ہوتا چلا جاتا ہے تقسیم کرتے کرتے ہم کبھی ایسی انتہا یا عد پر نہیں پہنچ سکتے جس کے بعد اس انتہائی چیز کے متعلق یہ نہ کہا جا سکے کہ اس کا بھی آدھا ہو سکتا ہے اسی کو اصطلاحی زبان میں اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ ہر جزو لا الی نہایت قابل تقسیم ہے،

اب اعتراض یہ پیدا ہوا کہ کسی فاصلہ کو طے کرنے کے لئے جو لا متناہی اجزا سے مرکب ہے لازماً لا متناہی زمانہ درکار ہوگا تو کیا ہر طرح مسافت جو ایک قابل ادراک شے ہے ناممکن ہے؟ کیا حرکت ہی کے وجود کا انکار لازم نہیں آتا؟ یونانی فلسفہ میں پارمی نائڈس[1] اور زینو[2] نے تو حرکت ہی کا انکار کر دیا تھا وہ اس حرکت کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے جو مشاہدہ میں آتی ہے جو ایک واقعہ ہے اس لئے انھوں نے دعویٰ کیا کہ ادراک اور مشاہدۂ حواس سے حقیقت کا علم نہیں ہو سکتا یہ حقیقی علم کا آلہ نہیں ان سے دھوکا ہوتا ہے اور عالم شہود و التباس کا عالم ہے، غیر حقیقی ہے۔ دھوکا ہے حقیقی عالم عقلی عالم ہے۔ جس کا علم عقل سے ہوتا ہے اس عالم میں نہ کثرت ہے اور نہ تعدد، حرکت ہے اور نہ تغیر وہ واحد عدیم التغیر، عدیم الحرکت حقیقت ہے! لیکن وہ اس امر کی توجیہ نہ کر سکے کہ اس حقیقی، مطلق عالم سے یہ التباس اور دھوکے کی دنیا کس طرح پیدا ہوئی اس طرح ان کا نظام فلسفہ باوجود وحدیت کے دعوے کے ثنویت پر ختم ہوتا ہے۔

نظام نے ان یونانی فلاسفہ کا حل اختیار نہیں کیا بلکہ اس مشکل کو رفع کرنے کے لئے اس نے "طفرہ" کا نظریہ پیش کیا، طفرہ کے معنی جست کرنے کے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ متحرک ایک جزو مسافت سے دوسرے جزو مسافت کو اس طرح طے کرے کہ ان دونوں جزوں کے

---

[1] Parminides [2] Zeno

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان بہت سارے اجزائے نامتناہی طے ہو جائیں ظاہر ہے کہ وہ اس طرح ہوتا ہے کہ متحرک فاصلے کے سارے اجزاء کو قطع نہیں کرتا بلکہ چھوڑ چھوڑ کر جست کرتا ہے۔

یہ صحیح نہیں کہ نظام نے طفرہ کا تصور پہلی دفعہ پیش کیا ابو علی سینا نے شفا میں بتلایا ہے کہ انیغورس نے جو حکمائے متقدمین یونان میں سے ہے، اس نظریہ کو پیش کیا تھا جس کو نظام نے اختیار کر لیا۔ شفا کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے

"جب ان لوگوں نے جن کا مذہب یہ ہے کہ جسم اجزائے لایتجزیٰ متناہیہ سے مؤلف ہے ان لوگوں پر اعتراض کیا اور کہا کہ تمہارے مذہب سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک چیونٹی پہاڑ کی چوٹی پر چلے تو اس کی مسافت قطع نہ کر سکے اور سانپ باوجود تیزی کے کچھوے تک نہ پہنچ سکے تو انھوں نے اس چیز میں پناہ لی جس میں انیغورس نے لی تھی اور طفرہ کے قائل ہو گئے"[1]

طفرہ کا نظریہ اشکال کو کسی طرح دور نہیں کر سکتا۔ طفرہ بھی خط مسافت ہے جسم کا نہ سہی اس کے محاذی فضا کا سہی، لہٰذا جو اعتراض خط جسم کی صورت میں پڑتا ہے وہی خط مسافت کی صورت میں بھی پڑتا ہے بات اصل یہ ہے کہ اگر ہم خط کو لا متناہی قابل تقسیم مانیں تو پھر زینو کے "استبعادات" کو حل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں سوجھتا اور حرکت ناقابل تصور ہو جاتی ہے[2]

(۴) کمون وظہور۔ ایک اور خیال نظام نے یونانی فلسفیوں سے لیا اور وہ کمون و بروز یا ظہور کا تصور ہے اس تصور نے نظام کے ذہن میں یہ شکل اختیار کی کہ خدا نے ساری کائنات کو دفعۃً واحدۃً یا ایک ساتھ ہی پیدا کر دیا۔ جمادات، نباتات، حیوانات سب ایک ہی وقت میں پیدا ہو گئے حتیٰ کہ آدم اور ان کی ساری اولاد بھی ایک ساتھ ہی پیدا ہو گئی تھی تقدم و تاخر جو کچھ ہے وہ وجود یا پیدائش میں نہیں بلکہ ظہور یا بروز میں ہے یعنی سب چیزیں پیدا یا موجود تو ایک ساتھ ہی ہو گئی تھیں لیکن ان کو اس وقت تک کے لئے مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا تھا جب تک کہ ان کے کام کرنے کا وقت

---

[1] منقول از کتاب تاریخ مذاہب الاسلام صفحہ ۱۲۸ [2] اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث دیکھنی منظور ہو تو دیکھو

Stace's Critical History of Greek Philosophy, PP 54 to 60

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ آ جائے اور جب یہ وقت آ گیا تو ان کو کون یعنی خفا سے پردۂ ظہور پر لایا گیا[1]

اس نظریہ پر تنقید کی کوئی ضرورت نہیں؛ عقل نظری جب وحی الٰہی سے آزاد ہو جاتی ہے تو اس کی مثال اس مرغی کی سی ہوتی ہے جو بغیر مرغ کے مستی کے انڈے دینے لگتی ہے ع

ماکیاں کز زور مستی خایہ گیرد بے خروس

۵۔ نظام نے فلاسفہ یونانی سے یہ بھی سیکھا کہ انسان کی اصل حقیقت روح ہے اور جسم محض اس کا آلہ کار ہے لیکن اس نے فلاسفہ کے مذہب کو اچھی طرح نہیں سمجھا اور آگے چل کر فلاسفہ طبعی کے اس خیال کو اختیار کر لیا کہ روح بھی ایک لطیف جسمانی جوہر ہے جو جسم میں اس طرح داخل ہوتا ہے جس طرح گلاب کی روح یا بو گلاب میں یا مکھن یا گھی دودھ میں یا تیل تل میں!

اس نظریہ پر علامہ منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں ایک دلچسپ تنقید کی ہے جو درج ذیل کی جاتی ہے۔

"جب اصل انسان روح ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم انسان کو دیکھ نہیں سکتے بلکہ اس کے جسم ہی کو دیکھ سکتے ہیں جس میں انسان (روح) پایا جاتا ہے اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اس کالبد خاکی کو دیکھا جس میں پیغمبر خدا مستور تھے اس خیال کی رو سے کوئی شخص نہ اپنے باپ کو دیکھتا ہے اور نہ ماں کو محض ان کے کالبد خاکی کو! علاوہ ازیں اگر نظام انسان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ جسم خارجی نہیں بلکہ محض وہ روح ہے جو جسم کے اندر پائی جاتی ہے تو اس کو یہی بات گدھے کے متعلق بھی کہنی چاہئے کہ گدھا بھی جسم نہیں بلکہ وہ روح ہے جو اس کے جسم میں پائی جاتی ہے۔ یہی بات گھوڑے اور دوسرے چارپایوں اور پرندوں اور جانوروں کے متعلق کہنی پڑے گی اور یہی قول فرشتوں، جنوں اور شیطانوں پر بھی صادق آئے گا تو کہنا پڑے گا کہ کسی نے گدھے کو دیکھا اور نہ گھوڑے کو اور نہ پرندے کو دیکھا اور نہ کسی جانور کو! یہ بھی کہنا پڑے گا کہ پیغمبر خدا صلعم نے کسی بھی فرشتہ کو نہیں دیکھا اور نہ خود فرشتے ایک دوسرے کو دیکھ

---

[1] دیکھو شہرستانی صفحہ ۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے ہیں! علاوہ ازیں جب جسم میں پائی جانے والی روح ہی انسان اور وہی فاعل ہے نہ کہ جسم جو اس کا محض ڈھانچہ ہے تو نظام کو اس نتیجہ سے گریز نہیں کہ روح ہی زانی ہے، چور ہے اور قاتل ہے جب ان جرائم کا صدور ہوتا ہے اگر جسم کو کوڑے لگائے جائیں یا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو مقطوعہ ہاتھ اور کوڑے کھانے والا جسم اصل مجرم نہیں، نہ وہ چور ہے نہ زانی مگر خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ اور نیز فرمایا گیا والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ" اس سے نظام کے نظریہ کا صاف طور پر باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔[1]

نظام نے روح کو لطیف جسمانی جوہر قرار دیا ہے دوسرے الفاظ میں وہ روح کے مادی ہونے کا قائل ہے موجودہ زمانہ میں اس نظریہ کو تعدیلی مادیت (Neutral mainism) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جدید اصطلاحات میں اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ذہن دماغ کے اجزاء کی حرکت کا نام ہے۔ زمانہ جدید کا مادہ پرست فلسفی ھابس (Hobbes) فکر کرنے کے معنی احساس کرنے کے قرار دیتا ہے اور احساس کو حرکت کی ایک صورت سمجھتا ہے۔ فرانس کا مشہور فلسفی بیوشنر (Buechner) کہتا ہے کہ "فکر فطرت کی عام حرکت کی ایک صورت سمجھی جا سکتی ہے اور سمجھی بھی جانی چاہئے یہ مرکزی عصبی عناصر کے جوہر کے لئے ویسی ہی مخصوص ہے جیسے تشنج عضلات کے لئے، یا روشنی کی حرکت ایتھر کے لئے" کسی اور جگہ وہ اصرار کے ساتھ کہتا ہے "عمل نفسی حرکت کی ایک صورت کے سوا کچھ نہیں"۔

تعدیلی مادیت ناقابل تردید ہے اس لئے نہیں کہ یہ صحیح ہے بلکہ محض اس لئے کہ یہ بالکل بے معنی ہے جب دو چیزیں ایک ہی ہیں تو ہم ایک کو دوسری کی جگہ رکھ سکتے ہیں لیکن کوشش تو کرو کہ اس ذہنی جملہ کے بجائے کہ "میں تم سے نفرت کرتا ہوں" اس طبعی جملہ کو رکھیں "میرے

[1] صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸ اس کتاب کے حصہ اول کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے مترجم کا نام Kate Chambers Seelye ہے اور کتاب کا نام Muslim Schisms and Sects ہے کولمبیا یونیورسٹی پریس میں سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع کی گئی ہے مندرجہ بالا عبارت اس کے صفحہ ۱۴۰ پر درج ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظامِ عصبی اور آنتوں میں ایک قسم کا طبیعی کیمیائی اختلال پیدا ہو رہا ہے"، دماغی عمل کا کتنا ہی خوردبینی امتحان کیوں نہ کیا جائے ہمیں فکر یا احساس کا کوئی نشان نہ ملے گا، یہ کہنا کہ فکر دراصل دماغ کی ایک حرکت ہے ایسا بے معنی ہے جیسا کہ لوہے کو لکڑی کا بنا ہوا سمجھنا اس کی تردید حجت سے کیسے کی جاسکتی ہے؟ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ فکر سے میری مراد فکر ہے، دماغ کے سالمات کی حرکت نہیں۔ فکر حرکت نہیں، فکر ہے[1] اسی طرح ہم نظام اور اس کے اساتذۂ کرام فلاسفہ طبیعیہ سے عرض کریں گے کہ روح مادہ نہیں روح ہے۔

جب ہم نظام کے اس نظریہ پر غور کرتے ہیں کہ "روح بھی ایک لطیف جسمانی جوہر ہے تو پھر جسم اور روح میں کوئی کیفیت یا ماہیت کا فرق نہیں مانا جاسکتا ہے، اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح وہ انسان کی حقیقت محض روح کو قرار دیتا ہے اور جسم کو نہیں، روح و جسم اس کے نزدیک اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں فرق صرف لطافت و کثافت کا ہے روح کو جسم سے ماہیت کے لحاظ سے غیر ماننے والوں کا باہمی تعلق، باہمی عمل سمجھانا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ ثنویت کے لئے یہ مسئلہ ناقابل حل ہوتا ہے اس کا حل روحانیت یا تصوریت کے اس نظریہ ہی کی رو سے ہو سکتا ہے کہ روح و جسم اپنی بنیادی حقیقت کے لحاظ سے روحانی ہیں ایک دوسرے کے غیر نہیں عین ہیں اور اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر اثر و عمل کر سکتے ہیں جب روحانیت کے اس نقطۂ نظر سے ہم جسم پر غور کرتے ہیں تو اس کو روح کا ظاہر قرار دیتے ہیں اور روح کو اس کا باطن (روح) کا ظہور و ظاہر (جسم) میں ہوتا ہے اسی وجہ سے میں اپنے دوست سے مل کر پوری طرح متلذذ ہوتا ہوں اور ذوق ملاقات حاصل کرتا ہوں، روح کی تجلی کا کامل طور پر جسم میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ جسم کو روح کا بالکلیہ غیر قرار نہیں دیا جاسکتا!

ان فلسفیانہ خیالات کے علاوہ نظام کے مذہبی عقائد میں سے چند عنوانات یہ ہیں۔ معجزات کا قائل نہ تھا، قرآن کے اعجاز کو نہیں مانتا تھا، امام کے تعین کے لئے نص واجب سمجھتا تھا

---

[1] دیکھو راقم کی کتاب ابطال مادیت صہ ۷۰، ۸۴ جہاں مادیت کے مختلف نظریات کی تردید کی گئی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا زعم تھا کہ حضرت علیؓ کے حق میں نص ثابت ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو چھپایا۔ نماز تراویح کو ناجائز سمجھتا تھا۔ معجزہ انشقاقِ قمر کا منکر تھا، رویت جن کو محال جانتا تھا نماز فائتہ کی قضا لازم نہیں جانتا تھا، کہتا تھا کہ سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ حدث نہ ہو۔

نظام کے اتباع میں محمد بن شبیب، ابو شمر، یونس بن عمران، فضل حدلی، احمد بن حائط، بشر بن معتمر، ثمامہ ابن عشرو غیرہ مشہور ہیں۔

۴۔ بشریہ:۔ یہ بشر بن معتمر کے پیرو ہیں۔ نظام کی جماعت کی ایک مشہور شخصیت بشر بن معتمر[2] ہے۔ اس کی تاریخِ پیدائش کا صحیح طور پر تعین نہ ہو سکا البتہ تاریخِ وفات سنہ ۲۱۰ھ ہے۔

(۱) بشر نے نظریہ تولید کو معتزلہ میں رائج کیا، معتزلہ قدر کے قائل ہیں وہ بندے کو اپنے افعال اختیاریہ کا خالق مانتے ہیں۔ بعض افعال تو "بطریقِ مباشرت" پیدا ہوتے ہیں یعنی ان کی تخلیق براہ راست بندہ کرتا ہے، لیکن بعض افعال "بطریقِ تولید" پیدا ہوتے ہیں یعنی فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہو جاتا ہے جیسے میری انگلی کا ہلنا انگوٹھی کے ہلنے کو واجب کر دیتا ہے، گو کہ اس دوسری حرکت کا بندہ اصلا ارادہ نہیں کرتا تاہم اس کا موجد اسی کو قرار دیا جائے گا، ہاں یہ ضرور صحیح ہے کہ اس کے لئے ایک اور فعل کا توسط ضروری ہے! ہدایت وضلالت بندہ "بطریق مباشرت" پیدا کرتا ہے اور پھر کامیابی وناکامی اس مباشرت سے "بطریقِ تولید" پیدا ہوتی ہے خدا کے پیدا کرنے کو اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ خدا کی مشیت کو ان سے کوئی تعلق ہے۔

اہل حق کے عقیدہ کی رو سے خدا ہی انسان کے اندر ہاتھ ہلانے کا ارادہ پیدا کرتا ہے، وہی ہاتھ میں حرکت اور پھر انگوٹھی میں حرکت پیدا کرتا ہے ہر حرکت براہ راست خود خدا کی تخلیق ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ (حدیث) اور لا قوۃ الا باللہ و اللہ خلقکم وما تعملون (۲۲ ع ۶) واللہ خالق کل شیٔ (۱۳ ع ۸) ھل من خالق غیر اللہ (۲۲ ع ۱۳) نیز ذا لکم اللہ ربکم خالق کل شیٔ لا الٰہ الا ھو (پ ۲۴ ع ۱۲) اور اس قبیل کی بہت ساری آیات بینات ناطق ہیں کہ ارواح اجسام، افعال وحرکات وغیرہ کا خالق مطلق فاعل حقیقی ذات واجب الوجوب وحدہ لاشریک لہ

[1] دیکھو راقم کی کتاب ابطال مادیت صفحہ ۴۰ و ۴۱ جہاں مادیت کے مختلف نظریات کی تردید کی گئی ہے [2] بقول شہرستانی بشر علمائے معتزلہ میں سب سے افضل تھا دیکھو شہرستانی صفحہ ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ ذات پاک شرکتِ غیر سے منزہ ہے تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا!
جبر و قدر کے مسئلہ پر ہم آیندہ گفتگو کر رہے ہیں لہذا یہاں تفصیل ترک کی جاتی ہے۔

(۲) بشر خدا کے ارادے کو خدا کا فضل قرار دیتا ہے اور اس کی دو قسموں میں تمیز کرتا ہے، صفت ذات اور صفت فعل۔ صفت ذات کے ذریعہ وہ اپنے تمام افعال اور بندوں کے افعالِ حسنہ کا ارادہ کرتا ہے، وہ حکیم مطلق ہے نظام کائنات کے لحاظ سے جو شے مناسب اور پسندیدہ ہو لازمی طور پر اس کا ارادہ اس سے متعلق ہوگا صفت فعل کی بھی دو قسمیں ہیں اگر افعال باری تعالیٰ سے متعلق ہوں تو اس سے مراد تخلیق ہے اور اگر بندوں کے افعال سے اس کا تعلق ہو تو وہ امر کہلائیگا[1]
اور نظام کے فلسفہ کے سلسلے میں ارادۂ الٰہی کی نفی پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ فلیرجع

(۳) بشر کے عقیدے کی رو سے خدا موجودہ دنیا سے بہتر اور مختلف دنیا بنا سکتا تھا۔ جس میں تمام انسانوں کو نجات ہو سکتی تھی لیکن عام معتزلہ کے خلاف بشر کا خیال تھا کہ ایسی دنیا کی تخلیق خدا پر واجب نہ تھی جو چیز خدا پر واجب تھی وہ صرف یہ کہ وہ انسان کو اختیار اور ارادہ عطا کرے اور اس کے بعد ہدایت کے لئے وحی اور قانون فطرت معلوم کرنے کے لئے عقل کا دے دینا کافی تھا تاکہ وہ اس عقل و اختیار کے ذریعہ خود نجات حاصل کرنے پر قادر ہو![2]

تنقید:۔ اہل حق کا دعویٰ کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں اور معتزلہ خدا پر بہت سی چیزیں واجب قرار دیتے ہیں اس موقع پر "واجب" کے معنی کی تحقیق ضروری ہے "واجب" کے معنی ہیں وہ کام جس کا کرنا ضروری ہے۔ ایسے فعل کو واجب نہیں کہا جاتا جس کا کرنا نہ کرنے پر ترجیح نہ رکھتا ہو اور اگر ترجیح بھی رکھتا ہو تو جب تک یہ ترجیح موکد و ضروری نہ ہو اس کو واجب نہ کہیں گے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے نہ کرنے پر ضرر لاحق ہوتا ہے یا لاحق ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے یہ ضرر یا دنیوی ضرر ہوگا یا اخروی خفیف ہوگا یا شدید اب جس چیز کے نہ کرنے پر معمولی یا خفیف ضرر ہو تو اس کو واجب نہیں کہا جا سکتا مثلاً اگر کسی

[1] کیونکہ حکیم کے لئے جائز نہیں کہ وہ صلاح و خیر کا علم رکھتا ہو اور اس کا ارادہ نہ کرے [2] شہرستانی صفحہ ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص کو پیاس ہو اور اگر وہ جلد پانی نہ پئے تو اس کو معمولی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے لئے پانی پینا واجب ہے

اسی طرح جن افعال کے نہ کرنے سے ضرر نہیں ہوتا مگر ان کے کرنے پر بہت فائدہ ہوتا ہے ان کو واجب نہیں کہا جا سکتا مثلاً تجارت کرنے اور نفل پڑھنے سے فائدہ ہے اور ان کو ترک کرنے سے نقصان نہیں لہذا تجارت کرنا اور نفل پڑھنا واجب نہیں۔

واجب وہی فعل ہوتا ہے جس کے نہ کرنے پر بظاہر نقصان ہو اس نقصان کی دو صورتیں ہیں ایک وہ نقصان ہے جو عاقبت میں ہوتا ہے اور ہمیں شرع کے ذریعہ اس کا علم ہوتا ہے دوسرا وہ جو دنیا میں ہوتا ہے اور عقل کے ذریعہ اس کا ہمیں علم ہوتا ہے ان دونوں صورتوں میں فعل کو واجب قرار دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ واجب کے دو معنی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اس کے ترک پر دنیا میں ضرر لاحق ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس کے ترک پر آخرت میں نقصان اٹھانا پڑے یہی ہمارا مقصود بالذات ہے۔

لفظ واجب کبھی تیسرے معنی میں بھی بولا جاتا ہے

(۳) وہ جس کے عدم وقوع پر محال لازم آئے مثلاً خدا کے علم میں یہ بات ہے کہ فلاں چیز فلاں وقت پر وقوع پذیر ہو گی اب اس چیز کا اس وقت وقوع پذیر ہونا واجب ہے ورنہ معاذ اللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

اب واجب کے ان معنی کی روشنی میں معتزلہ کے دعوؤں پر نظر کرو

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توراۃ کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد)

جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ توراۃ کے ان مشہور دس احکام کا ذکر عہدِ عتیق کی دو کتابوں خروج اور استثناء میں پایا جاتا ہے اسی طرح قرآن میں بھی ان سے ملتے جلتے دس احکام ایک ہی جگہ سورۂ بنی اسرائیل میں ملتے ہیں۔

احکام کے ان دونوں سلسلوں میں جو مشابہت پائی جاتی ہے اس کی طرف تو پہلے ہی بعض لوگوں کا ذہن منتقل ہوا ہے لیکن قرآن میں ان احکام کے آگے پیچھے جو باتیں بیان کی گئی ہیں واقعہ یہ ہے کہ صحیح طور پر شاید ان کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک کہ توراۃ کے ان دس احکام کے سابقہ و لاحقہ مضامین کو بھی پیشِ نظر نہ رکھا جائے مسلمان اس زمانہ میں جن حالات سے گذر رہے ہیں اور جن مشکلات میں اپنے آپ کو گھرا پا رہے ہیں ممکن ہے کہ ان کے حل میں اس مزدوری اور دلچسپ بحث سے کچھ مدد ملے اسی خیال کی تکمیل اس مقالہ کا مقصود ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

مناظر احسن گیلانی

میں پہلے توراۃ یا بائبل کی کتاب خروج سے ان احکام کو نقل کر دیتا ہوں دیکھئے خروج باب ۲۰ میں ہے "چنانچہ موسیٰ نیچے اُتر کر (یعنی کوہ سینا کی چوٹی جس پر لکھا ہے کہ خداوند خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بات کرنے کے لئے ان کو بلایا تھا اسی سے اتر کر لوگوں کے پاس گیا اور یہ باتیں ان کو بتائیں اور خدا نے یہ سب باتیں فرمائیں۔

۱۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا (جس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ) تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا، اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

(۲) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھیرائے گا۔

(۳) یاد کر کے تو سبت کا دن پاک ماننا، چھ دن تک تو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا لیکن ساتویں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے اس میں نہ تو کوئی کام کرے نہ تیرا بیٹا، نہ تیری بیٹی، نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی، نہ تیرا چوپایہ، نہ کوئی مسافر، جو تیرے ہاں تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان و زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔

(۴) تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

(۵) تو خون نہ کرنا۔

(۶) تو زنا نہ کرنا۔

(۷) تو چوری نہ کرنا۔

(۸) تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

(۹) تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔

© rasailojaraid.com